کلامِ علی حیدر ملتانی کا ایک منظور اُردو ترجمہ

محمود الحسن بزمی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ پنجابی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

This article reflects upon the poetry of a renowned classical poet Ali Haider Multani. Particularly, this article presents a critical & experiential analysis of one of his translation. Although this peice of translation is a literary master peice of Shafqat Tammeer Mirza, but at some points it seems as if he remained unable to exactly translate the poet's actural theme. This article gives reference of such verses.

علی حیدر ملتانی، طبقے شاہ اور وارث شاہ کے معاصر صوفی شاعر تھے۔ انہوں نے پنجابی اور فارسی میں شاعری کی لیکن مطبوعہ صورت میں ان کا صرف پنجابی کلام ملتا ہے۔علی حیدر نے ،لغت ،نظم ،سی حرفی اور دوہے کے ذریعے اپنے افکار کو پیش کیا ۔انہیں اپنے خیالات ونظریات اور افکار کے لحاظ سے پنجابی صوفی شعرا کے سلسلے کی ایک اہم کڑی سمجھا جاتا ہے ۔ دیگر پنجابی صوفی شعرا کی طرح علی حیدر بھی عملی صوفی تھے اور متصوفانہ واردات و کیفیات سے کاملاً آگاہ تھے۔صوفیانہ افکار ونظریات کے ساتھ ساتھ اپنے عہد پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور وہ اپنے زمانے کے تمام دُنیاوی رویوں سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ انکے بارے میں اپنے تاثرات بھی بیان کرتے رہتے تھے ۔ جب وہ اپنے اشعار میں نادر شاہ اور انکی فوج پر کڑی تنقید کرتے ہیں تو تب اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے محبّ وطن بھی تھے ۔ بلکہ علی حیدر اس پر ہی اکتفا نہیں کر لیتے ، جب وہ دیکھتے ہیں کہ خود ہندوستانی نادر شاہ کے معاون بنتے ہیں اور پھر انکے مقابلے میں کوئی آواز بلند کرنے والا نہیں ہے تو وہ ہندوستانیوں پر بھی کڑی تنقید کرتے ہوئے انہیں ہیجڑے اور نامرد تک کہہ دیتے ہیں ۔ یہ جوش و جذبے میں شدت ان کی اپنے وطن اور قوم سے گہری وابستگی اور محبت کی وجہ سے ہے ۔علی حیدر کو زبان و بیان پر بہت عبور حاصل تھا۔ ملتان کے علاقے کی پنجابی وہ بہت بعد میں کچھ بدل کر الگ زبان کے طور پر سرائیکی بن گئی جو اپنے لہجے کی کھنک کے لحاظ سے منفرد شناخت رکھتی ہے اس سے علی حیدر ملتانی نے بہت کام لیا اور خود اسے بھی بہت نوازا۔لفظوں کا انتخاب اور موضوع کی مناسبت سے ان کا خوب صورت اور برمحل استعمال خاص انہی کا حصہ ہے جس میں وہ کمال کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے ۔ گویا انہوں نے زبان کو فکری کے ساتھ ساتھ فنی سطح پر استعمال کر کے اس کی ساکھ کو مزید محترم اور معتبر بنا دیا۔

علی حیدر ملتانی کے کلام کو منظوم اردو میں ڈھالنے والوں میں پہلا نام عبدالمجید کا آتا ہے ۔ کہ انہوں نے جزوی طور پر

کچھ ترجمے کر کے ''خیابان پاک'' میں شامل کیے۔ان سے پہلے علی حیدر کے کلام کے کسی جزوی ترجمہ (منظوم) نگار کا حوالہ نہیں ملتا۔عبدالمجید بھٹی نے ،علی حیدر کے تصنیف کردہ ''حصہ ہیر رانجھا'' میں سے ہیر اور اس کی ماں کے چند مکالموں کا منظوم اردو ترجمہ کیا جو'' خیابان پاک'' (۱۹۵۶ء) کے صفحہ ۱۲۲ پر شامل ہیں۔اس کے بعد اسی کتاب کے اس سے اگلے صفحہ نمبر ۱۲۳ پر عبدالمجید بھٹی ہی کا علی حیدر کی سرحرفی میں سے ایک بند کا منظوم ترجمہ ہے۔

عبدالمجید بھٹی کے بعد دوسرا نام علی حیدر کے منظوم اردو ترجمہ نگار کے طور پر شفیع عقیل کا ہے۔شفیع عقیل بھی جزوی ترجمہ نگار اپنی کتاب'' پنجاب رنگ'' (۱۹۶۸ء) میں شامل کیا۔

کتابی صورت میں علی حیدر کے کلام کو منظوم اردو ترجمے کی صورت میں پیش کرنے والے اب تک پہلے اور آخری ترجمہ نگار شفقت تنویر میرزا ہیں۔شفقت تنویر میرزا کو علی حیدر کے کلام کے پہلے باقاعدہ منظوم اردو ترجمہ نگار ہونے کا یہی اعزاز حاصل نہیں بلکہ ہاشم شاہ کے کلام کے بھی کتابی صورت میں منظوم ترجمہ کرنے والے پہلے اور آخری وہی ہیں۔گویا شفقت تنویر میرزا ہی وہ اہم شخصیت ہیں جو اُردو اور پنجابی پر یکساں قدرت رکھنے کے ساتھ ساتھ علی حیدر اور ہاشم شاہ کے کلام کو منظوم اُردو میں ڈھالنے والے اور اسے کتابی جم میں شائع کروانے والے پہلے اور واحد ترجمہ نگار ہیں۔اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ علی حیدر کے عہد کی ملتانی پنجابی کو سمجھنا اور علی حیدر کے افکار کو شعری پابندیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اردو دان طبقے سے متعارف کروانا انکا اعزاز ہی نہیں بلکہ کارنامہ بھی ہے کہ یہ کام انہی کا حصہ تھا اور وہی کر سکتے تھے۔

شفقت تنویر میرزا نے علی حیدر ملتانی کے ابیات کو منظوم اُردو کا جامہ پہنا کر'' کوک'' کے نام سے جون ۱۹۸۰ء میں لوک ورثے کا قومی ادارہ ، اسلام آباد سے شائع کروایا۔کتاب میں فہرست ابواب کے بعد'' پہلی بات''صفحہ ۵ سے لے کر ۲۱ تک ہے۔اسکے آخر میں کسی کا نام درج نہیں۔عموماً گمان ہوسکتا ہے۔جس طرح سرکاری اداروں سے چھپنے والی کتب کے شروع میں ادارے کے کسی عہدایدار کی تعارفی تقریظ یا تحریر ہوتی ہے جیسے شفقت تنویر میرزا کے اس پہلے ۱۹۷۹ء میں شائع ہونے والے ہاشم شاہ کے کلام کے منظوم اردو ترجمے کے شروع میں (جو اسی ادارے سے شائع ہوا) ادارے کے ایڈیٹر مظہر الاسلام کی'' پہلی بات'' ہے۔لیکن زیرنظر ترجمے میں یہ'' پہلی بات'' جو ایک تفصیلی مضمون ہے خود ترجمہ نگار کا معلوم ہوتا ہے۔اسکی دو شہادتیں ہیں ایک تو یہ کہ روایتی اور عاجزی کے سبب اسکے آخر میں اور پھر اسکے اگلی تحریر'' دو چھ متن اور ترجمے کے بارے میں'' ان دونوں کے آخر میں میرزا نے اپنا نام درج نہیں کیا۔اگر زیر بحث پہلا مضمون کسی اور کا ہوتا یہ امتیاز رکھنے کے لئے لازماً'' پہلی بات'' پر از نام آتا۔دوسری بات یہ ہے کہ اس پہلے مضمون میں شفقت تنویر میرزا یا ان کے اس ترجمے کے بارے میں ایک لفظ بھی موجود نہیں ظاہر ہے اگر کوئی دوسرا اسے لکھتا تو وہ ضرور میرزا صاحب کے اس ترجمے کے بارے میں دو چھ کلمات خیر درج کرتا۔

اس کے بعد شفقت تنویر میرزا نے'' کچھ متن اور ترجمے کے بارے میں'' کے تحت علی حیدر کے کلام کی جمع ترتیب اور اشاعت کی روداد بیان کرنے بعد کچھ اپنے اس ترجمے کے بارے میں انہوں نے بہت ہی اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی جو اس ترجمے اور خود علی حیدر کے کلام کو سمجھنے میں بہت مفید ہیں۔اس تحریر کے آخر میں ترجمہ نگار نے اس ترجمے کے دوران اپنے زیر مطالعہ رہنے والی معاون کتب کی فہرست بھی دی ہے۔

ان ابتدائی تعارفی تحریروں کے بعد صفحہ ۲۸ سے علی حیدر کا کلام اور اس کے مقابل صفحے پر منظوم اردو ترجمہ شروع ہوتا

ہے۔ سب سے پہلے ''کوڑا سب سنسار'' کے عنوان سے ایک حمد یہ نظم اور اس کا منظوم اردو ترجمہ ہے۔ پھر ''لغت'' ہے۔ اس کے بعد ''گنج معانی'' کے عنوان سے علی حیدر کا منظوم پیش لفظ ہے جس میں انہوں نے اپنی سی حرفیوں اور ابیات و دوہڑوں کے بارے میں تعلّی کے انداز میں اظہار کیا ہے۔ ''کوک'' کے صفحہ ۴۵ سے علی حیدر کی سی حرفیاں شروع ہوتی ہیں۔ لیکن یہ ترتیب سی حرفی کی مروجہ ہیت کے مطابق نہیں ہے۔ مثلاً صفحہ ۴۵ سے لے کر صفحہ ۹۲ تک صرف الف سے شروع ہونے والے بند ہیں اسی طرح بالترتیب صفحہ ۹۳ سے ۱۲۲ تک، ب، پ، ت، ث سے شروع ہونے والے، صفحہ ۱۲۳ سے ۱۴۸ تک ج، ح، خ، صفحہ ۱۴۹ سے ۱۶۸ تک ،د،ذ ،ر ،ز،صفحہ ۱۶۹ سے ۱۸۴ تک ، س ،ش،ص، ض ، صفحہ ۱۸۵ سے ۱۹۶ تک ،ط،ظ ،ع،غ،۱۹۷ سے ۲۱۲ تک ،ف،ق،ک،گ،۲۱۳ سے ۲۲۸ تک ،ل،م،ن اور صفحہ ۲۲۹ سے ۲۴۵ تک،ق،ہ اوری سے شروع ہونے والے بند ہیں۔ سی حرفی کی ہیت تو یہ رہتی ہے کہ تمام ابجدی حروف سے ایک ایک بند آتا چلا جاتا ہے۔ اور الف سے ی تک ہر حرف کے تحت ایک ایک بند سی حرفی کی تکمیل کرتا ہے۔ لیکن یہاں یہ صورت رہی ہے کہ الف سے شروع ہونے والے تمام بند ایک جگہ اسی طرح ب کے ایک جگہ علی ھذا القیاس۔ اس طرح سی حرفی کی وہ مروجہ ہیت اور صورت برقرار نہیں رہتی نہ افکار میں تسلسل باقی رہتا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے بھی کلام انتشار کا سبب بنتا ہے۔

علی حیدر ملتانی کے کلام کی جمع ترتیب کی طرف اہل علم نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ پہلے پہل سنت سنگھ اور گلاب سنگھ نے بیسویں صدی کے ابتدائی دو چار برسوں میں علی حیدر ملتانی کی چھے سی حرفیاں شائع کیں۔ اس کے بعد ''اللہ ابیات علی حیدر'' شائع کیا۔ پھر تیسری بار اسی مجموعے کو بنیاد بنا کر ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ۱۹۶۳ء میں پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور کی طرف سے اسے شائع کیا۔ شفقت تنویر میرزا نے ملک فضل الدین اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کے مرتبہ ایڈیشنوں میں درج شدہ کلام کی ترتیب کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

> ''ملک فضل الدین کے ۱۳۲۵ھ اور ڈاکٹر فقیر کے ۱۹۶۳ء والے متن میں ترتیب کے لحاظ سے کوئی خاص فرق نہیں۔ ملک فضل الدین نے پہلے چھ سی حرفیاں اور بعد میں اشعار متفرق چھاپے ہیں۔ آخر میں قصہ ''ہیر ورانجھا'' ڈاکٹر فقیر نے متفرق اشعار یا ابیات پہلے، پھر سی حرفیاں اور آخر میں ''ہیر ورانجھا''۔[۱]

ترتیب کے لحاظ سے ان دونوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ مکمل چھے سی حرفیاں ایک جگہ ہیں اور متفرق اشعار جو سی حرفیوں ہی کے انداز میں ہیں انہیں ایک جگہ رکھا ہے۔ مکمل سی حرفیوں کا ایک جگہ رہنا صرف مذکورہ ان دو نسخوں ہی میں نہیں ہے بلکہ پہلی بار سنت سنگھ اور گلاب سنگھ نے بھی ان کو مکمل صورت میں چھاپا۔ یعنی ہر حرف کے تحت ایک بند، اس طرح الف سے ی تک ایک سی حرفی مکمل اور بھی دوسری سی حرفی الف سے ی تک علی ھذا القیاس۔ بلکہ صرف یہی نہیں خود علی حیدر ملتانی نے بھی اپنے کلام کے بارے میں جو ''گنج معانی دے'' کے تحت اشعار نظم کیے وہاں بھی انہوں نے اپنی مکمل سی حرفیوں کا ذکر کیا ملاحظہ ہو شفقت تنویر میرزا ہی کے مرتبہ متن سے:

> پنج سی حرفیاں آکھیاں حیدر پنجے گنج معانی دے نیں[۲]

پانچ اور چھے میں فرق نہیں ان میں سے بعد کے مرتبین کو ایک سی حرفی مزید مل گئی ہو گی جو انہوں نے شامل کر دی۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شفقت تنویر میرزا کے ترجمہ کرتے وقت تک متفرق کلام کے علاوہ چھے سی حرفیاں ضرور یک جا رہیں۔ بلکہ

میرزا صاحب کے بعد محمد آصف خاں نے پاکستان پنجابی ادبی بورڈ لاہور کی طرف سے ۱۹۸۸ء میں ''کلیات علی حیدر'' شائع کیا تو اس میں بھی انہوں چھے مکمل سی حرفیوں کو مکمل صورت میں یکجا رکھا۔ لیکن علی حیدر کے کلام کی اس مروجہ ترتیب کے برعکس شفقت تنویر میرزا سے اسے یوں درج کیا ہے:

> ''متفرق اشعار چونکہ سی حرفی کے انداز میں ہیں (حروف تہجی کے تحت ہر حرف کی پٹی میں پورے اشعار) اس لیے میں نے لغت اور نظمیں الگ کر لی ہیں اور باقی متفرق اشعار اور سی حرفیوں میں حروف تہجی کے مطابق انتخاب کر کے ترجمہ کیا ہے۔یعنی الف کی پٹی میں متفرق اشعار سے اور سی حرفیوں کی الف کی پٹی سے بھی اشعار کا انتخاب شامل ہے اور اسے ''الف'' کے عنوان کے تحت اکٹھا کر دیا ہے۔''[۳]

اس ترتیب سے زیادہ بہتر یہی تھا کہ کم از کم چھے مکمل سرحرفیوں کو الگ اور یکجا رکھا جاتا تا کہ ہیت کے لحاظ سے اور موضوع کی جامعیت کے لحاظ سے ان کی الگ شناخت محفوظ رہتی اور وہ دوسرے متفرق کلام میں گم ہو کر نہ رہ جاتیں۔ اس منتخب ترجمے میں علی حیدر کے تحریر کردہ مکالماتی انداز (ہیر اور اس کی ماں کے درمیان) کے قصے ''ہیر و رانجھا'' کو شفقت تنویر میرزا نے ترجمہ نہیں کیا باقی ہر نوع کے کلام میں سے منتخب ابیات کا ترجمہ کر دیا ہے۔ شفقت تنویر میرزا کے اس ترجمے کی اس اہمیت سے انکار نہیں کہ علی حیدر کے کلام کے زیادہ سے زیادہ حصے کو کتابی صورت میں منظوم ترجمہ کر کے شائع کرنے والے ہو واحد ترجمہ نگار ہیں۔

علی حیدر ملتانی کے جزوی ترجمہ نگار کے طور پر آخری نام شریف کنجاہی کا ہے۔ انہوں نے علی حیدر کی ابیات میں سے ''الف''، ''ف'' اور ''ق'' کے تحت شروع ہونے والے یہ تین بند منتخب کر کے انہیں منظوم اردو ترجمے کی صورت میں اپنی کتاب ''پنجابی شاعری سے انتخاب'' میں شامل کیا۔ شریف کنجاہی نے اصل متن بھی ساتھ دیا ہے۔ اب ذیل میں علی حیدر کے کلام کے منظوم ترجمہ نگاروں کی فہرست مکمل کوائف کے ساتھ ملاحظہ ہو پہلے نمبر پر شفقت تنویر میرزا کا ترجمہ آئے گا کیونکہ یہ کتابی صورت میں ہے۔

۱۔ شفقت تنویر میرزا:

☆ ''کوک'' (ابیات علی حیدر) لوک ورثے کا قومی ادارہ، اسلام آباد، جون ۱۹۸۰ء، کل صفحات: ۲۴۵

۲۔ عبدالمجید بھٹی:

☆ ماں بیٹی (ہیر اور اس کی ماں کے درمیان چار مکالمے) مشمولہ: ''خیابان پاک'' ادارہ مطبوعات پاکستان، کراچی، اگست ۱۹۵۶ء ص: ۱۲۲

☆ بہ حضور ناز (حرف را: ایک بند، سی حرفی سے) مشمولہ: ایضا، ص: ۱۲۳

۳۔ شفیع عقیل:

☆ ابیات علی حیدر، مشمولہ، پنجاب رنگ، مرکزی اردو بورڈ، لاہور ۱۹۶۸ء ص:

۴۔ شریف کنجاہی:

☆ ابیات (تین ابیات) مشمولہ: پنجابی شاعری سے انتخاب، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۸۳ء، ص: ۳۵

اس مضمون میں شفقت میرزا کے ترجمے کا جائزہ پیش کیا جائے گا کہ یہ کتابی صورت میں ہے۔

علی حیدر کے کلام کے ترجمہ نگار شفقت تنویر میرزا نے یوں تو یہ ترجمہ کرتے وقت بہترین رواں اور سادہ ترجمہ کا شاہکار پیش کیا ہے اور ان کا منتخب کردہ کلام کا ترجمہ زیادہ تر ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے مگر پھر بھی کچھ مثالیں مل جاتی ہیں جہاں وہ شاعر کے متن کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے اور ترجمہ شاعر کی فکر سے مختلف ہو گیا مثالیں دیتے وقت پنجابی متن اور منظوم اردو کے حوالے مرزا صاحب کے کیے ہوئے ترجمے سے ہی دیئے جائینگے۔ اس سلسلے میں ''لغت'' کے عنوان سے وہ علی حیدر کے کلام کا جب ترجمہ کرتے ہیں تو چند مصرعوں میں مطلب مختلف ہو گیا ہے۔

۱۔ پنجابی متن: شوق تینڈے دا ویلا گیا وہا رسول خدا دے ص:۳۲
اُردو ترجمہ: گزر نہ جائے تیرا شوق سا رسول خدا دے ص:۳۳

۲۔ پنجابی متن: بیھڑے بھر بھر دیوں خزانے فارسیاں نو خراسانیاں نوں ص:۴۲
اُردو ترجمہ: ہے ظلم خزانے دیتے ہیں خراسانیوں کو ایرانیوں کو ص:۴۳

اس مصرعے میں شاعر کہنا چاہ رہا ہے کہ بدفطرت اور برے لوگ جو اس قوم کے وسائل پر قابض ہیں لیکن اپنی کمزوری اور نااہلی کی بنا پر طاقتور حملہ آوروں سے بچاؤ کیلئے بطور رشوت یا تاوان اپنے یا قومی خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں انکو منہ مانگی رقم دیکر خزانہ خالی کر رہے ہیں لیکن اپنے اندر طاقت اور جرات پیدا نہیں کرتے۔ ترجمہ نگار اس کو صرف یہ کہہ کر کام چلاتے ہیں کہ ایرانی اور خراسانی سرداروں کو مال دینا بہت ظلم ہے لیکن ان کی فطرت کی بدی واضح نہیں کرتے۔

۳۔ پنجابی متن: ہو کیاں بیلےنوں نہیں رانجھن تے ہیرے دا حال زبون تھیا ص:۴۶
اُردو ترجمہ: رانجھے نے رُخ بیلے کا کیا تو ہیر کا حال زبون ہوا ص:۴۷

اس مصرعے میں شاعر نے بیان کیا ہے کہ جب رانجھے نے اپنی بھینسیں ''بیلے'' یعنی چراگاہ یا جنگل کی طرف موڑ دیں یا ان کو اس طرف ہانک دیا تو ہیر کی حالت ابتر ہو گئی اسے رانجھے کا خود سے جدا ہو جانا پریشان کرتا ہے ترجمہ نگار کہتے ہیں کہ جب رانجھے نے بیلے کا رخ کیا تو ہیر کی حالت بگڑ گئی۔ اب اگر ترجمہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بات ایک ہی ہے بھینسیں جب بیلے کیطرف رُخ کرتی ہیں یا ہانکی جاتی ہیں تو ان کو ہانکنے والا رانجھا بھی پیچھے ہی ہو گا لیکن یہ ضروری بھی نہیں ہوتا جن لوگوں نے دیہات میں مویشیوں کے ریوڑ چرتے دیکھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر ایک دفعہ انکو کسی سمت ہانک دیا جائے وہ خود بخود چلتے جاتے ہیں اسلئے ترجمے میں مویشیوں یعنی بھینسوں کا ذکر تاثر کو بڑھا دیتا ہے۔

۴۔ پنجابی متن: صاحباں بھی ترٹ ماری لوں موئی حیدر کن فیکون تھیا ص:۴۶
اُردو ترجمہ: ماری گئی راہ میں صاحباں بھی حیدر یہ کن فیکون ہوا ص:۴۷

پنجابی میں ترٹنا سے مراد ٹوٹ جانا یا توڑ دینا یا پھر عشق میں کسی سے تعلق ٹوٹ جانا یا پھر وصال کی بجائے ہجر و فراق مقدر بن جانا اور ترٹ کا مطلب پنجابی میں پیاس، پیاسا ہونا (ترپٹا) یا پھر پیاس سے لبوں کا خشک ہو جانا یعنی تشنہ لبی ہوتا ہے جن لوگوں نے مرزا صاحباں کی داستان کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ صاحباں نے معاشرتی بندھنوں کو توڑ کر خاندانی علائق سے بغاوت کر کے مرزے کا ساتھ دیا تھا اور آج تک سماجی ریت و روایت کے امین اسکا یہ قصور معاف نہیں کرتے علی حیدر پنجابی کا محاورہ استعمال کرتے ہیں جس میں صاحباں کا یہی قصور بتاتے ہیں کہ وہ ایک غلط کام کر کے گھر سے نکلی۔ راہ میں تعاقب

کرنیوالے سر پر آ پہنچے تو پھر مرزے کا تیروں والا تھیلا پکڑانے میں دیر کر دی یا پھر یہ خیال آ گیا کہ پکڑے تو گئے ہیں اب مرزا میرے بھائی یا خاندان والوں کو نقصان نہ پہنچا دے اس طرح وہ دیر کر دیتی ہے اور یہی اس کی موت کا سبب بنتا ہے۔

مرزا صاحب ترجمے کرتے وقت ''راہ میں مارا جانا'' مراد طے کر کے مفہوم کو مبہم اور پیچیدہ کر دیتے ہیں اس ترجمے سے شاعر کی فکر تک درست طور پر رسائی نہیں ہو پاتی۔

۵۔ پنجابی متن: ہے ہے اکھیں نہیں پر ویکھن دی سک پٹیاں میں اکھیں پٹیاں میں　ص:۵۲

اُردو ترجمہ: آنکھیں ہی نہیں، پر دیکھوں اسے مجھے آنکھوں نے برباد کیا　ص:۵۳

علی حیدر تاسف بھرے لب و لہجے میں کہتے ہیں کہ اگر چہ میری باطنی آنکھیں کام نہیں کرتیں اور میں دل کی بینائی سے محروم ہوں مگر اسکا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مجھے اپنے محبوب کے دیدار کی چاہت اور پیاس نہیں ہے بلکہ جب میں اپنی ظاہری آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دنیا میں پھیلے ہوئے محبوب (محبوب حقیقی) کے جلوے دیکھتا ہوں تو اس ظاہری نگاہ کا اندر کی بینائی سے تعلق قائم نہیں ہو پاتا جس کی وجہ میری اپنی کم مائیگی اور نا اہلیت ہے۔ ترجمہ نگار کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ میری آنکھیں جو نہیں ہیں پھر بھی اسے دیکھتا ہوں میری آنکھوں نے اسے دیکھ کر خود مجھے ہی تباہ و برباد کر دیا ہے۔ اس ترجمے سے شاعر کی سوچ کی عکاسی قطعاً نہیں ہوتی بلکہ ترجمہ نگار دو متضاد افعال کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں ایک طرف آنکھیں کام نہیں کرتیں کہ دیکھا نہیں جاتا دوسری طرف دیکھ کر دیکھنے والے کی ہی بربادی کا باعث بن جاتی ہیں اس طرح ترجمہ شاعر کی فکر سے دور جا پڑتا ہے۔

۶۔ پنجابی متن: یعنی حیدر او تھے عاقل بنیا جتھے کجھ ہتھ وتھ نہ آوندا ای　ص:۵۴

اُردو ترجمہ: حیدر وہاں عاقل بن بیٹھا، وہاں عقل سے کچھ ہاتھ آتا ہے　ص:۵۵

''وتھ'' کا مطلب ''موتی'' ہوتا ہے شاعر اپنے بارے میں اشارہ کرتا ہے کہ وہ ایک ایسے معاشرہ کا فرد ہے جو زوال اور اخلاقی انحطاط کی بنا پر اچھے برے کی تمیز سے محروم ہو چکا ہے اب ایسے ماحول میں خوبی اور گن کی پہچان نہیں ہو سکتی یعنی موتی (قیمتی چیز یا قابل قدر خوبی) کے حصول میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا چنانچہ ایسے زوال کے شکار معاشرے میں کم نصیب شخص بھی گراں قدر ہو جاتا ہے حالانکہ اس کی وجہ سے لوگوں کی سوچ اور طرز زندگی میں تبدیلی نہیں آتی اب ترجمے کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حیدر وہاں عقل مند بن بیٹھا ہے جس جگہ عقل سے کام لیکر انسان کامیابی و کامرانی حاصل کرتا ہے بغور دیکھیں تو شاعر کی سوچ سے ترجمہ نگار کی سوچ بالکل مختلف نظر آتی ہے۔

۷۔ پنجابی متن: ایہناں مورتاں سنگین دے وچ اوہا سوہنا لعل دا رنگ سوار دا ای　ص:۵۶

اُردو ترجمہ: پتھر میں لعل اگاتا ہے وہ مالک اس شاہکار کا ہے　ص:۵۷

اس مصرعے میں شاعر خوبصورت مرمریں جسموں کے مالک لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کے اندر سوہنا یعنی اللہ تعالی (محبوب حقیقی) لعل و گوہر جیسی قیمتی خصلتیں اور اوصاف پیدا کرتا ہے یا ان کی سرخ و سپید رنگت اور اس کے سلیقے اور تہذیب کے تمام جوہر یکجا کر کے لعلوں کی طرح گراں قدر بنا دیتا ہے اب ترجمہ نگار یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالی اپنی قدرت سے پتھر (کی کانوں) میں لعل پیدا کرتا ہے وہی اللہ تعالی اس شاہکار (یعنی انسان) کا بھی مالک ہے۔ شاعر کا اصل زور خوبصورت لوگوں (مرمریں مورتوں) پر تھا ترجمہ نگار نے اسکا ترجمہ نہیں کیا یا کیا ہے تو اسکی متضاد وضاحت کر سکے ہیں۔

۸۔　پنجابی متن:　جے گل لائی کھول تنی کیا چولا اتارنا چم اساں　ص:۶۶

اُردو ترجمہ:　بند قبا کو کھول کے ہم کو اپنے گلے لگائے　ص:۶۷

شاعر اس مصرعے میں کوچہ عشق و محبت میں کا سہ سر ہتھیلی پر رکھ کر چلنے والے عاشقوں کی قربانی اور عزیمت کا ذکر کرتے ہیں وہ اپنی لگن اور جانفروشی کی بنا پر محبوب کے قرب کے سزاوار بنتے ہیں پہلے خاک وخون میں غلطاں ہوتے ہیں تب محبوب کی محفل میں شرف بار یابی پاتے ہیں علی حیدر کے بقول اگر محبوب نے میرے چولے یا قبا کا بند کھول کر مجھے گلے لگایا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی جلد ادھڑ وائی (چم کا چولا اتروانا) تو پھر اسکے ہاں قابل پذیرائی بنا ہوں۔ ترجمہ نگار نے سادہ ترجمہ کیا ہے کہ (محبوب) قبا کے بند کھول کر مجھے اپنے گلے سے لگاتا ہے اسطرح اصل حقیقت یعنی عاشق کی قربانی کا ذکر تک نہیں کیا جو کہ اس مصرعے کی اصل تھی اسکے ذکر کے بغیر ترجمہ درست نہیں ہے۔

۹۔　پنجابی متن:　الف اسیں کجھ نہیں سبھ تیریاں ٹھاٹھیں ویکھن نوں ترسانی آں میں
میں گھمن گھیر دا کا سہ نہاں خود پانیاں تے بن پانی آں میں
میں کجھ نہیں، کیا گھول ونجاں، ایہو صدقڑے تے قربانی آں میں
حیدر یار توں گھول گھتیویں کوئی نا ہیں تاں فانی آں قانی آں میں　ص:۷۲

اُردو ترجمہ:　ترے جلووں کو ترسائی گئی ہوں
بھنور میں ہوں مگر پیاسی رہی ہوں
ندا تجھ پر مرے یہ جان و ایمان
مگر فانی ہوں اب آئی گئی ہوں　ص:۷۳

اس بند میں علی حیدر کے کلام کا ترجمہ کرتے ہوئے مرزا صاحب نے ایک شعری تجربہ کیا ہے شاعر کی لمبی بحر کے مقابلے میں چھوٹی بحر لائے ہیں اگر چہ اس میں خوبصورتی، سلاست اور روانی نظر آتی ہے مگر شاعر کا آدھا آدھا مصرعہ چھوڑ دینے ہیں خیال اور فکر غارت ہو کر رہ گئے ہیں۔ پہلے مصرعے میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میری (یعنی عاشق کی) کچھ وقعت وحیثیت نہیں یہ سب ناز وادا کے جلوے آپ کی وجہ سے ہیں اور میں (اپنے آپ کی نفی کرنیکے باوجود) ان جلووں اور آپکو دیکھنے کو ترستی ہوں مگر ترجمہ نگار نے صرف یہ ترجمہ کیا ہے کہ تیرے جلووں کو دیکھنے سے ترسائی گئی ہوں۔ اگلے مصرعوں کا تجزیہ کرتے ہوئے پہلے شاعر کی فکر اکھٹی بیان کیجاتی ہے اور اسکے بعد ترجمہ نگار کا مراد لیا گیا ترجمہ یا مفہوم بتایا جا سکا۔ علی حیدر کہتے ہیں کہ میری مثال بھنور کے اندر بنے ہوئے کاسے یا پیالے کی شکل جیسی جو پانی کے ہنری سے گھومنے اور نیچے کیطرف جانے سے بنتا ہے وہ ہے پانی مگر اندر سے خالی ہونے کیوجہ سے پانی کو ترستا ہے دراصل اس مصرعے میں شاعر نے ایک خوبصورت تشبیہ سامنے رکھی ہے جس کو ترجمہ نگار سمجھ نہیں پائے کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھہ انسانی خالی ہاتھ نظر آتا ہے۔ انہوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ بھنور میں ہوں مگر پیاسی رہی ہوں اس طرح وہ شاعر کی فکر سے دور جا پڑے ہیں۔ تیسرے مصرعے کے پہلے حصے کو نظر کر کے صرف اتنا کہا ہے کہ فقط پانی پر نقشائی گئی ہوں جبکہ شاعر کا اصل زور اپنی ذات کی نفی کر کے صرف محبوب کو ہر طرف جلوہ آرا دیکھنا ہے ''میں ناں کجھ نہیں سبھ تو ہیں تو ہیں'' سے مراد اپنے آپ کو مٹا ہوا دیکھنا اور محبوب کا سکہ ہر طرف جاری و ساری ہوتے دیکھنے کی خواہش کا

اظہار ہے باقی کے تین مصرعوں میں بھی شاعر اپنے آپ کو محبوب کے بھنور یا شکنجے میں پھنسے ہوئے انسانکی طرح دیکھتا ہے جو بے زور ہو کر محبوب کے ناز وادا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہے پھر چونکہ اسکی اپنی کوئی حیثیت نہیں اسلئے اسے خیال آتا ہے کہ اب میں اپنے محبوب پر کیا چیز وار دوں یا قربان کروں تو پھر سوچتا ہے کہ میرا اسطرح بے بس ہو کر خود کو اسکی پر دداری میں دے دینا ہی صدقہ اور قربانی ہے اور آخر میں یہ خواہش کہ اے حیدر! مجھے چاہیے کہ اپنے پیارے دوست کے اوپر ہر چیز حتی کہ ذات تک قربان کر دیان ہی اصل مقصد ہے وگرنہ انسان تو فانی ہے۔ فانی ہے فانی کی تکرار کر کے شاعر نے اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ''؟؟؟'' کی طرف توجہ دلائی ہے اس کا ترجمہ کرتے وقت ترجمہ نگار زور طلب پہلوؤں کو نظر کر کے مصرعے کا آخری حصہ سامنے رکھتا ہے کہ مجھے بھنور میں پھنسا دیا گیا ہے اور میرے جان و ایمان محبوب پر کرتے فدا ہو کیونکہ میں فانی تو تھا مگر اب اس مقام پر آ چکا ہوں ۔کس مقام پر؟ اس کی وضاحت ترجم نگار نہیں کرتے اور مختلف اور پھر شاعر کی یہ مراد ہرگز نہیں تھی اس طرح ترجمہ پڑھنے والے شخص کو بالکل الٹ مفہوم پڑھنے کو ملتا ہے۔

(۱۰)　پنجابی متن:　　اوہ چھم چھم نور جو وچ چھروکے نیناں دے شاہ دی جھات دا ای　　ص:۴۷

اُردو ترجمہ:　　نینوں کے جھروکوں میں منظر اک نور بھری برسات کا ہے　　ص: ۵۷

شاعر کہتا ہے کہ میری آنکھوں میں جو نور کی برکھا برس رہی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں میرے محبوب (یعنی شاہ جو نہ صرف میرا بلکہ ہر چیز کا مالک ہے) کی ایک پیار بھری نگاہ پڑی تو میری آنکھیں روشن ہو گئیں اب آگے رنگ و نور کا یہ سلسلہ پھیل رہا ہے ترجمہ نگار کے مطابق آنکھوں کے اندر ایک نور بھری برسات مسلسل جاری و ساری ہے۔

شفقت تنویر میرزا کے ترجمے میں سے مندرجہ بالا نوعیت کی مثالوں سے یہ گماں نہ ہونا چاہیے کہ ان کا یہ سارا ترجمہ اسی انداز کا ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے ایک زبان سے دوسری زبان میں منظوم ترجمے میں ایسی الجھنیں تو فطری سی ہوتیں ہیں۔ گویا نصیب میں لکھی ہوتی ہے۔ میرزا صاحب کی عظمت اور بڑائی کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس عالمی حقیقت کا خود انہیں احساس ہے اور انہوں نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ وہ اپنے اس ترجمے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''علی حیدر کے کلام کے اس منظوم اردو ترجمے میں اگر کچھ الجھنیں باقی رہ جاتی ہیں یا کہیں ترجمہ مبہم اور مہمل ہو جاتا ہے تو اس کا سبب ترجمہ نگار سے زیادہ علی حیدر کے کلام کے مرتبین ہیں کہ وہ مستند متن پیش کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ انکے کلام کے شروع کی دو ایک اشاعتوں سے تو یہ توقع بھی نہ رکھنی چاہیے کہ اس وقت شاید ان باتوں کو ملحوظ ہی نہ رکھا جاتا ہو لیکن ڈاکٹر فقیر محمد فقیر جیسے صاحب نظر بھی علی حیدر کا کلام مرتب کرتے ہوئے اسے مکمل توجہ نہ دے سکے۔ ملک فضل الدین اور ڈاکٹر فقیر والے ایڈیشنوں کے بارے میں محمد آصف خاں لکھتے ہیں: ''اساں ویکھیا ہے کہ دوناں ایڈیشناں وچ ڈھیر ساریاں بھلاں ہن۔ پر ہن ویلا اینا لمیرا بیت چکیا ہے کہ ایہہ بھلاں نہیں مکائیاں جاسکدیاں۔ جتھے لوڑ پئی ہے املا وچ سودھی اساں آپنے ولوں ضرور کردتی ہے۔''[۵]

شفقت تنویر میرزا کے ترجمے کے محاکے کے دوران اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنی چاہیے کہ علی حیدر کا کلام کامل تصحیح و تحقیق کے ساتھ شائع نہیں کیا جا سکا۔ شفقت تنویر میرزا نے ڈاکٹر فقیر ہی کے مرتبہ ایڈیشن کو زیادہ تر بنیاد بنایا ہے لیکن جو ان

میں غلطیاں تھیں ظاہر ہے وہ بھی ان کی طرف توجہ نہ دے سکتے تھے کہ ان کے پیش نظر ترجمہ کرنا تھا نہ کہ کلام کی تدوین و ترتیب لہٰذا فضل الدین کے شائع شدہ اور ڈاکٹر فقیر کے مرتبہ ایڈیشنوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''پنجابی کے دو بڑے شاعروں میاں ہدایت اللہ اور ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے جس متن کے چھپنے کی اجازت دے دی مجھے اپنے ترجمے کی بنیاد اسی پر رکھنا پڑی، گویا بعض سقم میں نے ورثے میں لیے اور انہیں قبول کر لیا۔''[۶]

غرض یہ کہ اگر اصل متن ہی میں اشکال اور الجھنیں موجود ہوں تو اس ترجمے پر کیونکر توقع سے زیادہ بہتری کا بھروسا کیا جائے۔ لیکن علی حیدر کے کلام کی مستند اشاعت کی عدم موجودگی کے باوجود شفقت تنویر میرزا توقع سے بڑھ کر اچھا ترجمہ کرنے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ علی حیدر کا جو کلام اور جس طرح موجود ہے اگر وہ درست ہے تو ترجمہ بھی درست ہے اور اصل کے قریب قریب ہی رہتا ہے انہوں نے بڑی حد قافیہ بھی علی حیدر کا ہی استعمال کیا ہے جس سے وہ آہنگ اور اثر پیدا ہو گیا ہے۔ شفقت تنویر میرزا کے کلام علی کے منظوم اُردو کے ترجمے میں پیش کی گئی مندرجہ بالا مثالیں معمولی نوعیت کی ہیں جس طرح دیگر بعض منظوم اُردو ترجمہ نگاروں نے اس کوشش میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائیں ہیں اور بعض حضرات نے کہیں کہیں شاعر کے متن اور فکر سے انحراف کیا ہے میرزا صاحب کا کمال یہ ہے کہ ان کے ہاں ایسی مثالیں شاذ ہی ملتی ہیں اور ڈھونڈنے کے لئے بھی کافی تردد کرنا پڑتا ہے وگرنہ شفقت تنویر مرزا کا علی حیدر کے کلام کا یہ ترجمہ بھیر پور، بامعنی اور گراں قدر خوبیوں کا حامل ہے مرزا صاحب بڑے سلیقے اور کمال رعنائی سے علی حیدر کی فکر و خیال اور موضوعات کو فنکارانہ حُسن کے ساتھ بیان کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ خاص طور پر انہوں نے قدیم اُردو کے وہ الفاظ جو پنجابی میں یکساں چلتے تھے یا پھر تھے ہی پنجابی کے اور اُردو میں شامل ہوئے ان کو پھر اُردو کا حصہ بنانے کی کوشش کی ہے اور اس طرح وہ متروک اُردو کے ذخیرہ الفاظ کی طرف قارئین کی توجہ دلانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱۔ شفقت تنویر میرزا، مرتب و مترجم کوک (ابیات علی حیدر)، اسلام آباد: لوک ورثے کا قومی ادارہ، ۱۹۸۰ء، ص: ۲۵
۲۔ علی حیدر، کوک (ابیات علی حیدر) مرتب و مترجم، شفقت تنویر میرزا، ص: ۳۶
۳۔ ایضاً، ص: ۲۵
۴۔ ایضاً، ص: ۲۶
۵۔ محمد آصف خاں، مرتب: ''کلیات علی حیدر''، لاہور: پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۸۸ء، ص: ۴
۶۔ علی حیدر، کوک (ابیات علی حیدر) مرتب و مترجم، شفقت تنویر میرزا، ص: ۲۵